# اُستاذ العلماء —— مولانا محمد چراغ کی یاد میں

جناب پروفیسر محمد اسلم اعوان

(۳)

مولانا صاحب کے شاگرد سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے حلقہ میں اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف ہیں اور ان میں سے اکثریت تحریکِ اسلامی کے فعال کارکنان پر مشتمل ہے — اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے سے خدمتِ دین کا کام لینے کے لیے پچانوے سال کی طویل عمر عطا فرمائی — چنانچہ آپ نے ستر سال تک تدریس کا کام کیا اس لیے آپ کے تلامذہ میں اکثریت ایسے علماء کرام کی ہے جن کی دو دو نسلوں نے آپ سے کسبِ فیض کیا — اور علماء کے بعض خانوادوں کی تین تین نسلیں بھی آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئیں — مولانا غلام محمد مہتمم دارالعلوم موضع مرہانہ ضلع سیالکوٹ کا گھرانہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کی تین نسلوں یعنی باپ، بیٹے اور پوتے نے بھی اسی عالی مرتبت اُستاد سے فیضِ علمی حاصل کیا۔ آپ کے شاگردوں کی فہرست تو بہت طویل ہے۔ لیکن چند ایک نمایاں نام یہ ہیں:

مولانا عبدالخالق طارق ڈائریکٹر اسلامی انسٹی ٹیوٹ یوگنڈا، مفتی عبدالواحد مرحوم مہتمم انوار العلوم شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ، قاضی عصمت اللہ مہتمم مدرسہ جامعہ محمدیہ قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ، مولانا عبدالعلیم قاسمی، مولانا عبدالحلیم قاسمی دارالعلوم احناف ماڈل ٹاؤن، لاہور، مولانا سید لال شاہ بخاری واہ کینٹ، مولانا اسلم حیات مہتمم جامعہ عربیہ گجرات، مولانا محمد منظور چنیوٹی، ایم پی اے (پنجاب اسمبلی)، مولانا محمد حیات فاتح قادیان، مولانا تمیزالدین سرکار مشرقی پاکستان موجودہ بنگلہ دیش — یہ فہرست تو ہزاروں علماء پر مشتمل ہے جس کا متحمل یہ مضمون نہیں ہو سکتا۔

مشرقی پاکستان کے ذکر سے یاد آیا کہ جمعیت اتحاد العلماء کی تنظیم کے سلسلے میں آپ مولانا گلزار احمد مظاہری مرحوم کو ساتھ لے کر ۱۹۶۶ء میں بنگلہ دیش گئے تو وہاں کی بستی بستی، شہر شہر کے علمائے کرام کے حلقوں میں "العرف الشذی" کے مؤلف کی آمد کی حیرت انگیز انداز میں دھوم مچ گئی۔ یہاں یہ پس منظر سامنے رہے کہ سابق مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) میں دینی تعلیم کے حصول کا جذبہ پاکستان کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ اور مشہور محقق پروفیسر سید محمد سلیم کے انتہائی متوازن اور محتاط جائزے کی رو سے پاکستان اور بنگلہ دیش میں دینی تعلیم کے حصول میں طلباء کا تناسب ایک اور چھ کی نسبت سے ہے، یعنی یہاں کُل پاکستان میں دینی مدارس کے طلبا کی تعداد ایک لاکھ اور مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں چھ لاکھ ہے۔ (بحوالہ ہند و پاکستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت از پروفیسر سید محمد سلیم۔ص۔۱۵)

بنگلہ دیش میں آپ کی آمد کے وقت علماء کے حلقوں میں تحیّر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ بنگلہ دیشی علماء کی اکثریت کے سان گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ ان کے زیر مطالعہ رہنے والی کتاب "العرف الشذی" کا مؤلف جس نے بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں علامہ انور شاہ سے صحیح معنوں میں استفادہ کر کے اس شاہکار شرح کو تالیف کیا۔ وہ مؤلف آج اسی صدی کے ساتویں دہے میں بھی زندہ ہوگا۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید "العرف الشذی" کا مؤلف بھی اپنے شیخ شاہ صاحب کے بعد کے لگ بھگ کے زمانے میں کہیں چل بسا ہوگا۔ لیکن مولانا محمد چراغ ؒ کی آمد سے پورے مشرقی پاکستان کی علمی دُنیا میں ایک علمی بہار اور عید کا سماں پیدا ہوگیا۔ اور بنگلہ دیش کے گوشے گوشے سے علمائے کرام کی اکثریت آپ کے دیدار سے بہرہ یاب ہونے کے لیے اُمڈ آئی تاکہ کل وہ اپنے تلامذہ کے سامنے فخر سے کہہ سکیں کہ ہم نے جیتی جاگتی آنکھوں سے "العرف الشذی" کے مؤلف کی زیارت کی ہے !!! علمائے کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے شرفِ شاگردی بخشنے کی آپ سے درخواست کی۔ چنانچہ مولانا اطہر علی خاں مرحوم کے مدرسہ جامعہ امدادیہ کشور گنج میں پورے مشرقی پاکستان سے ہزاروں علماء کرام

جمع ہوئے اور آپ نے اُن کو حدیث کا ایک مختصر حصہ پڑھا کر ان کی آرزو کو پورا کیا۔ اور مشرقی پاکستانی علمار نے بھی جمعیت اتحاد العلمار کی تنظیم میں آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ " العرف الشذی" کے علمی کارنامے کے حوالے سے آپ کا شاگرد بننے کی آرزو لے اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے موجودہ مصری نژاد وائس چانسلر ڈاکٹر حسن شافعی (فاضل الازہر یونیورسٹی) جامعہ عربیہ گوجرانوالہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے ایک حدیث شریف پڑھ کر آپ کے شاگردوں کی فہرست میں فخروانبساط سے شامل ہوئے۔

مولانا محمد چراغ کا اندازِ تدریس انتہائی دل نشین تھا۔ دورانِ تدریس عصری تقاضوں کا شعور اور تحریکِ اسلامی کی اہمیت اس طرح سمو دیتے کہ اُن کے طلبا علم حاصل کرنے کے بعد دین کے متحرک سپاہی بن کر نکلتے۔ طلبار سے انتہائی شفقت سے پیش آتے اور اُن سے یُوں برتاؤ کرتے کہ طلبار خود کو گھریلو ماحول میں محسوس کرتے۔ ان کے ایک شاگرد مولانا اسلم حیات مہتمم جامعہ عربیہ جی۔ٹی روڈ گجرات بیان کرتے ہیں کہ ۳۷-۱۹۳۶ء میں مَیں جامعہ عربیہ گوجرانوالہ میں استاد گرامی کے زیرِ تعلیم وتربیت تھا۔ اُن دنوں جامعہ عربیہ کی عمارت اندرون شہر کھیالی دروازہ کے باہر تھی۔ اُن دنوں کھیالی دروازہ سے باہر آبادی بالکل نہیں تھی۔ دُور دُور تا حدِ نظر کھیت ہی کھیت دکھائی دیتے۔ مولانا اپنے شاگردوں کے ہمراہ گوجرانوالہ کے باہر مضافات نوشہرہ سانسی روڈ جانے والی سڑک پر طویل سیر کو نکل جاتے اور لمبی دوڑ لگاتے اور چونکہ علمار کی عام روش کے برعکس چھریرے بدن کے مالک تھے اس لیے دوڑ میں سب سے آگے نکل جاتے۔ لیکن طلبار کے معاملے میں شفقت کے ساتھ ساتھ استاذِ محترم تربیت میں بہت سخت گیر تھے۔ اور نماز باجماعت کے لیے طلبا پر بہت پابندی اور سختی کرتے اور ہر طالب علم کو فجر کی نماز کے لیے خود جگاتے اور تدریس میں اخلاص کا یہ عالم کہ نماز فجر کے بعد سے ظہر تک پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھتے۔ فرائض منصبی میں اتقا کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر کسی دن سفر پر جانا ہوتا تو اذانِ فجر سے بہت پہلے طلبار کو جگا کر اُس دن کا سبق نماز فجر سے

پہلے ہی پڑھا دیتے۔ تاکہ طلباء کا حرج نہ ہو۔ فرمایا کرتے کہ عالم دین کو مالی معاملات میں بہت صاف اور دیانت دار ہونا چاہیے۔ اُن کے صاحبزادے حافظ محمد انور قاسمی مہتمم جامعہ عربیہ بیان کرتے ہیں کہ مالی اُمور میں والد صاحب انتہائی سخت گیر تھے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۵۹ء میں، میں اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور میں معلم تھا کہ مارشیس کے شہر روز ہل (ROSE HILL) کی اسلامی سرکل نامی انجمن نے مجھے تبلیغِ اسلام کے لیے مع خاندان مارشیس آنے کی دعوت دی۔ اُس وقت قاعدہ یہ تھا کہ پاسپورٹ کے لیے فی کس دو ہزار روپے سیکورٹی جمع کرانا پڑتی تھی۔ چونکہ میں اپنی اہلیہ کو بھی ساتھ لے جا رہا تھا لہٰذا مجھے چار ہزار روپے کی ضرورت تھی۔ اُن دنوں دو ہزار روپے کی رقم بہت زیادہ شمار ہوتی تھی۔ کجا کہ میں اس سے دُگنی رقم کا ضرورتمند تھا۔ چنانچہ میں نے ابا جان سے کہا کہ مجھے مارشیس جانے کے لیے چار ہزار روپے جامعہ عربیہ کے مالیات میں سے دے دیں۔ مارشیس پہنچنے کے بعد میں یہ رقم آہستہ آہستہ آپ کو بھجوا دوں گا۔ لیکن ابا جان نے صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ "جامعہ کے مالیات میں سے ایک پیسہ دینے کا بھی روادار نہیں"۔ میں نے عرض کیا کہ جامعہ کی شوریٰ کے احباب سے مشورہ و فیصلہ کے بعد یہ رقم دے دیں"۔ فرمایا" اگر شوریٰ رقم دینے کے بارے میں کہہ بھی دے تو پھر بھی اپنے بیٹے کے لیے جامعہ کا پیسہ نہیں دوں گا"۔ چنانچہ میں نے مارشیس کی انجمن کو لکھا تو وہاں سے رقم آگئی۔ یہ واقعہ سُنانے کے بعد انور صاحب نے فرمایا کہ ابا جان کے انکار میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ تھی کہ جہاں اس سے مولانا کی دیانت سامنے آگئی وہیں یہ رقم مارشیس سے ۱۹۶۳ء میں میری واپسی پر مجھے پھر سیکورٹی کی صورت میں واپس مل گئی۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کو صحیح متوازن اور ملتِ اسلامیہ کا غمخوار ذہن عطا فرمایا تھا۔! میں یہاں فقہی مباحث کے خارزار میں اُلجھنا نہیں چاہتا لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ آج مسلکوں کی بنیاد پر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے والے، ایک دوسرے کی اقتدار میں نماز نہ پڑھنے والے ایسے علماء / لیڈر ہمارے اِرد گرد نظر آرہے ہیں جو اُمتِ مُسلمہ

کی رہنمائی کی دعویداری میں اُمت میں روز افزوں افتراق کے بیج بو رہے ہیں۔ ان حالات میں مولانا محمد چراغؒ کی ذات ہی ہماری اُمیدوں کا محور تھی۔ جنہوں نے متحدہ قومیت کے پلیٹ فارم کو مسلمانوں کے لیے سمِّ قاتل خیال کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ کی آواز پر لبیک کہا اور ساری عمر اقامتِ دین اور اسلامی نظامِ حکومت کے غلبے کے لیے شاگردوں کی ایسی سپاہ تیار کرنے میں بسر کر دی جو عصری تقاضوں کا شعور رکھنے کے ساتھ فرقہ پرستی کے زہر سے بالکل مبرا ہو۔ چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ بھی ان کا بے پایاں احترام کرتے تھے۔ اور ان کے علمی منصب کے مقام شناس تھے اور علمی معاملات اور تصنیف و تالیف میں ان کے مشوروں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی رائے سے رجوع بھی کر لیتے۔

مولانا محمد چراغ صاحب کے مطالعۂ کتب کا ایک خاص انداز تھا۔ زیر مطالعہ کتب میں جس چیز کو اہم سمجھا اُس کے نیچے لکیر لگا دی یا اُس کے حاشیہ پر لکھ دیا کہ اس قسم کا مضمون فلاں کتاب میں بھی ہے۔ اِس طرح اُن کی مطالعہ شدہ کتاب کو پڑھتے ہوئے انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ بیک وقت ایک کتاب نہیں، بلکہ چار پانچ کتابیں پڑھ رہا ہے۔ عربی زبان کی مشہور تفسیر "روح المعانی" از علامہ آلوسی (بغداد) کے حاشیہ پر بھی مولانا نے اسی طرح کے نوٹ لکھے۔ چنانچہ مولانا مودودیؒ نے مولانا محمد چراغؒ کی مطالعہ شدہ "روح المعانی" دیکھی تو "روح المعانی" کے اپنے مملوکہ نسخہ سے اس کا تبادلہ کر لیا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مولانا محمد چراغ جماعتِ اسلامی کے رُکن نہ تھے۔ لیکن علمائے کرام کی صفوں میں سے جماعتِ اسلامی کا ساتھ دینے کے لیے سب سے اوّل اور نمایاں آپ ہی تھے فرمایا کرتے: "مجھے جماعتِ اسلامی سے زیادہ مولانا مودودیؒ مظلوم دکھائی دیتے ہیں"[1]

[1] مولانا محمد چراغ کے یہ الفاظ پڑھتے ہوئے اس تلخ حقیقت کا پسِ منظر ذہن میں رہے کہ یہود و ہنود، مستشرقین، کمیونسٹوں اور قادیانیوں کے علاوہ شومیٔ قسمت سے اور غلط فہمیوں کی بنا پر اپنوں یعنی مذہبی طبقہ اور علما کا ایک معتدبہ حصہ گزشتہ نصف صدی سے (باقی بر صفحہ آئندہ)

مولانا محمد چراغ نے اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے جس اخلاص نیت سے زندگی کے ہر شعبے میں اسلام نافذ کرنے کی جدوجہد کرنے والی تحریک جماعتِ اسلامی کا ساتھ دیا اور اس مشن کی تکمیل کے لیے بے شمار علمائے کرام تیار کیے۔ انشاء اللہ العزیز ان کی جدوجہد سے جب اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہوگا تو عامۃ المسلمین ایسے خاندانوں پر رشک کریں گے، جن کے افراد نے مولانا محمد چراغ کی زیارت کی ہوگی !!! بقول اقبال ؎

ہے مگر اس نقش میں رنگ ثبات و دوام — جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ — عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو — عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام

---

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز
نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقین — اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

---


ماخذ:۔ زبانی گفتگوئیں: مولانا محمد انور قاسمی صاحب فرزند مولانا محمد چراغ و مہتمم جامعہ عربیہ، گوجرانوالہ۔ ۲۔ مولانا اسلم حیات شاگرد مولانا محمد چراغ مہتمم جامعہ عربیہ گجرات۔
۳۔ مولانا محمد زمان صاحب تلمیذ خطیب پاکستان آرمی۔

کتابیات:۔ ۱۔ "معاصرین اقبال کی نظر میں" از محمد عبداللہ قریشی۔ ۲۔ "مہک" مجلہ گورنمنٹ کالج گوجرانوالہ جوبلی نمبر و گوجرانوالہ نمبر۔ ۳۔ مولانا محمد چراغ سے ملاقات پر مبنی مضمون از فاروق سلیمی، مطبوعہ "قومی ڈائجسٹ" سید مودودیؒ نمبر جنوری ۱۹۸۰ء شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا قسط نمبر ۱۴، مضمون جمعیت اتحاد العلماء، از مولانا محمد حنیف۔


---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

مولانا مودودیؒ کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈے کے "کارِ خیر" میں مصروف ہے !!!